غالب اسٹڈیز

۴

عابد رضا بیدار

رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز

۱۸۰۶، کلاں محل، دہلی-۶

سلسلۂ مطبوعات رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز - ۲۵

غالب اسٹڈیز

(۴)

دیوانِ تسکین

مرتبہ

عابد رضا بیدار

مالک رام صاحب کی نذر

(محبوب المطابع برقی پریس، دہلی)

پیش گفتار

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے　　کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

یہ شعر آپ نے کتنی ہی بار سنا ہو گا۔ یہ اردو کے ان چالیس پچاس خوش نصیب ترین اشعار میں سے ہے جو ہر خوش ذوق کی زبان پہ رہتے ہیں، اور جنھیں مناسب مواقع پر نثر نگار اپنی نثر کا حسن بڑھانے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

جس شاعر نے یہ شعر کہا ہے اردو والوں کو اس کی جستجو کرنی چاہیے تھی کہ اس نے اور کیا کچھ کہا ہے اور کوشش کر کے اس کے معتبر کلام کو مرتب کر کے محفوظ کر لینا چاہیے تھا۔ اس کی اشاعت کوئی لمبا چوڑا کام بھی نہ تھا۔ اس کے دیوان کی موجودگی کی اطلاع حسرت موہانی نے ۱۹۱۳ء میں اور میں نے ۱۹۵۲ء میں تفصیل سے اردو دنیا کے گوش گزار کر دی

تھی۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اس نے صرف ایک شعر کہہ کر اپنی اپج ختم کر دی ہو اور بے خبر ہو گیا ہو۔ تسکین کے اور میرے پیش کردہ انتخابات (اردوئے معلیٰ ۱۹۱۳ء۔ معارف جنوری ۱۹۵۲ء) سے بھی کم سے کم اتنا ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ دوسرے درجے کے شعرا اس کے یہاں بھلے ہی مل جائیں، تیسرے درجے کا شاعر وہ یقیناً نہیں ہے۔ پھر اسے اردو سماج کی ایک عام بےحسی، اور غیر ضروری کاموں سے ضروری کاموں کو الگ کرکے انھیں ترجیح دے سکنے کی بھاری کمی کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کروں۔

تسکین جن کا نام میر حسین تھا، جو مومن کے سمدھی بھی تھے استاد بھائی اور شاگرد بھی تھے اور ہم عمر بھی، غالب، مومن اور ذوق کی دِلّی کے اس گمنام سے مگر نیک نام شاعر کا یہ شعر ہے اور اس کی ان نیکیوں میں سے ہے جو کرکے دریا میں ڈال دی جاتی ہیں۔ نیکی کو سب یاد رکھتے ہیں اور اس کے کرنے والے کو انے گنے لوگ۔

بظاہر تسکین شاعر ہی تھے کہ اس کے سوا ان کے کسی مشغلے، یا مصروفیت کا علم کسی ذریعہ سے ہم تک نہیں پہنچا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ مومن کے شاگرد تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شاعر ہی نہیں، باقاعدہ شاعر تھے۔ ایسی صورت میں ان کے اتنے مختصر دیوان کی موجودگی جس میں صرف چند ردیفیں ہیں اور ان میں بھی کتنی ہی نامکمل غزلیں ہیں، جو یہ بتاتی ہیں، کہ

یا تو تلاشِ روزگار کے ذیل میں ان کا کلام ضائع ہوتا چلا گیا، یا پھر وہ کچھ ضرورت سے زیادہ نیک دل اور شریف طبع واقع ہوئے تھے اور ایسوں کے ساتھ زمانے کا برتاؤ ایسا ہی رہا ہے۔ اس آخری امکان کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان کے بارے میں حالات و سوانح کے سلسلے میں اوروں کو جانے دیجیے، خود ان کے قریب ترین، شیفتہ نے صرف دو سطریں لکھی ہیں جن میں حالات صرف آدھی سطر میں ہیں، بقیہ میں کلام کی تعریف ہے۔ خدا بھلا کرے امیر مینائی کا، جن کی بدولت ان کے حالات، یا ضروری حالات ہم تک پہنچ گئے اور اس میں بھی شاید اس بات کو دخل ہے کہ تسکین کا اخیر زمانہ رام پور میں گذرا، ورنہ اس کے بھی لالے پڑ جاتے! امیر مینائی کا یہ بیان تسکین کے انتقال کے بعد کا ہے، اور میں معاصر شہادتوں کے سوا اور کسی بیان کو اہمیت نہیں دیتا ہوں۔ لیکن امیر مینائی کے تذکرے کی نوعیت نیم سرکاری سی ہے، ریاست کی سرپرستی میں لکھا گیا ہے، اس لیے بھی، اور اس لیے بھی کہ وہ خود خاصے مستند قسم کے راوی اور عالم شاعر تھے، ان کے بیان کو بھی لگ بھگ وہی درجہ دیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۴ء میں تسکین کے انتقال کے ۲۲ سال بعد لکھا ہے:

"تسکین، میر حسین، ابن میر حسن عرف میرن صاحب۔ سلسلہ ان کے نسب کا میر حیدر، قاتل وزیر فرخ سیر تک پہنچتا ہے۔

فارسی مولوی امام بخش صہبائی سے پڑھی۔ شعر گوئی کا جو شوق
ہوا، ابتدا میں شاہ نصیر مغفور سے اصلاح لی۔ انتہا میں مومن
خاں صاحب مرحوم کے فیض سے مشقِ سخن آفرینی کمال کو پہنچی۔
وطن ان کا دہلی ہے، مگر اس دار الریاست (رامپور) میں سال
ہائے دراز نوکر رہے۔ قدر افزائی رئیس قدر دان سے نامور
ہیں۔ پچاس برس کی عمر ہوئی۔ شوال کی سترھویں تاریخ بارہ
سو اڑسٹھ ہجری میں قضا کی اور نواب احمد علی خاں بہادر مرحوم
کے مقبرے کے قریب مدفون ہوئے، دیوان ان کا تو نہ ملا مگر
متفرق کچھ اجزا ہاتھ آئے، ان میں سے یہ کلام منتخب ہوا۔"

(انتخاب یادگار)

"انتخاب یادگار" کے اس بیان کو اس لیے مزید استناد حاصل ہوجاتا
ہے کہ ماخذ بڑی حد تک "گلستانِ سخن" ہے جو تسکین کے صرف تین سال بعد ۱۲۷۱ھ
کی تصنیف ہے۔ گلستانِ سخن نے لکھا ہے:

"تسکین تخلص، زبدۂ خاندانِ سیادت، اسوۂ دودمانِ سعادت
میر حسین۔ نسب اس زبدۂ ساداتِ کرام کا میر حیدر قاتل
وزیر فرخ سیر تک پہنچتا ہے۔ کتب فارسی کو جناب استاذی مولوی
امام بخش صہبائی سے پڑھا ہے اور چونکہ طبع نہایت موزوں تھی

شوقِ شعر گوئی نے غلبہ کیا۔ اوّل کلام کو شاہ نصیر مرحوم کی نظرِ اصلاح میں گزرانا۔ جب کچھ سلیقہ اس میں بڑھ گیا سررشتہ اصلاح کا چندے منقطع رکھا، لیکن پھر اپنے سخن کی تکمیل کے واسطے مومن خاں سے اصلاح لینی شروع کی۔ رفتہ رفتہ مشق سخن کمال کو پہنچی اور طرۂ ایوانِ سخن کنگرۂ عرش تک۔ جو کج رفتاری فلک اہلِ ہنر کی دشمن اور کملائے فن کی عدو ہے۔ تلاش معاش کے ذریعہ سے سفر رامپور کا اتفاق ہوا۔ وہاں یا تو یہ آسمان نہیں یا اس وقت یہ بخل سرشت کسی اور امرِ خطیر کی طرف متوجہ تھا۔ رئیس رامپور کی قدر شناسی سے سلسلہ نوکری کا بقدر رفاہ حال منتظم ہو گیا۔ اس گلزمین کے شعرا نے پاکیِ زبان اور خوش فکری کو مقبول رکھا۔ ۱۲۶۸ھ میں عین عالم شباب میں پیرزالِ دنیا کی صحبت سے بیزار ہو کر حورانِ بہشتی کی طلب میں روضۂ خلد کی طرف راہی ہوا۔ اُسی سال میں چندروز پہلے مومن و عارف کے سانحۂ ناگزیر سے قدردانانِ سخن کا سینہ داغدار، اور ہنر شناسوں کا دل افگار ہو چکا تھا کہ یہ واقعہ جانکاہ علاوہ رنج و ملال اور مزید اندوہ کلال ہوا۔ قربان علی سالک نے تاریخ

وفات اس طرح سے پائی کہ بطریق معمّا کے ان دونوں سانحۂ جانگداز پر بھی اشتمال رکھتی ہے:۔

ارم میں مومن و تسکین و عارف

یعنی ان تینوں نام کے اعداد ارم کے اعداد میں شامل ہیں"۔

(گلستانِ سخن)

زندگی میں شیفتہ نے تو ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کی تھی:۔

"تسکین تخلص، میر حسین، سلسلۂ نسبت بمیر حیدر خاں قاتل وزیر فرخ سیر میرسد۔ صاحب فکر بلند و اسلوب گفتارش دلپسند از حضرت مومن خاں بدرستیٔ اشعار پرداختہ۔ از احباب راقم است"۔

(گلشنِ بے خار)

لیکن کریم الدین (فیلن) نے اپنی ذاتی معلومات سے شیفتہ کے جملے لے کر حالات میں کچھ اضافہ کر دیا۔ یہ شیفتہ کے کوئی دس برس بعد ۱۸۴۸ء کا ذکر ہے:۔

"تسکین تخلص، میر حسین نام۔ سلسلہ ان کے نسب کا میر حیدر خاں قاتل وزیر فرخ سیر تک پہنچتا ہے۔ صاحب فکر

بلند اور اسلوب اس کی گفتار کا دلپسند۔ شاگرد حضرتِ
مؤمن خاں سلمہ اللہ الرحمان کا، بندہ سے بھی تعارف
حاصل ہے۔ سابق میں واسطے تلاش روزگار کے لکھنؤ کو
گئے تھے۔ اب وارد میرٹھ ہیں۔ تلامذین حضرت مومن خاں
میں سے اچھی طبیعت رکھتے ہیں۔ عمر ان کی ۱۸۴۷ء میں قریبا
چالیس برس کے ہو گی۔"

(طبقات الشعرائے ہند)

سوانح میں مزید اضافہ یوں کر لیجیے کہ ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۲ء میں دلّی
میں پیدا ہوئے کہ انتقال کے وقت پچاس برس کی عمر تھی۔ دو بیٹے تھے۔
عبدالرحمٰن آہی اور میر عبداللہ غمگین۔ غمگین کا ۲۳ سال کی عمر میں انتقال ہو
گیا۔ آہی مومن کے داماد تھے۔ یہ مشہور شعر انھیں کا ہے ؎

ہے غلط دھوم کہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا

غمگین باپ کے ساتھ رام پور آکر عملۂ عدالت میں ملازم ہو گئے تھے۔
یہیں انتقال ہوا۔ تسکین اور غمگین کی قبریں نانکار میں احمد علی خاں
کے مقبرے میں ہیں۔

تسکین کا یہ دیوان جو رام پور میں محفوظ ہے نظر بظاہر دنیا میں

ایک ہی نسخہ ہے اس لیے اشعار کا مقابلہ یا ان پر اضافہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، صرف تذکروں میں جو اشعار پائے جاتے ہیں وہی اختلافِ نسخ، قسم کی چیزوں کے کام آسکتے ہیں۔ چار شعروں کا اضافہ بھی ایک تذکرہ کی مدد سے ہو گیا ہے جس کا اپنی جگہ پر ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ یہ شعر کریم الدین کے "طبقات" سے لیے گئے ہیں۔ باقی اشعار کی تصحیح جہاں کہیں تحریر میں کوئی سقم تھا، کر دی گئی ہے۔

رام پور کی لائبریری میں تسکین کی ایک فارسی کے منتخب اشعار کی بیاض بھی موجود محفوظ ہے، جیسی اس زمانے کے اکثر خوش ذوق رکھا کرتے تھے اور کوئی خاص بات نہیں۔

شاعری کے بارے میں کیا کہوں۔ اب تو پورا دیوان آپ کے سامنے ہے خود پڑھ کر اندازہ لگا لیجیے۔ پھر شاید آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں کہ شاعر اتنا برا یقیناً نہیں جس بُرے طریقے پر اسے نظر انداز کیا گیا۔

عابد رضا بیدار

بُت کدے میں دیکھ واعظ، آکے جلوہ نور کا
تو صنم سمجھا ہے جس کو، ہے وہ پتھّر طور کا

دیکھنا اخفانِ لب، زخمِ دلِ پُرشور کا
سوزنِ جرّاح سے نکلے گا نالہ صُور کا

کچھ نمک، کچھ مشک، کچھ الماس ہوا ہے چارہ گر
پھر خدا جانے بھرے دو دن میں منھ ناسور کا

دار پر کھینچا اناالحق کہنے سے ناحق اُسے
چاہیے تھا چیر کر دل دیکھنا منصور کا

مر گیا ہوں شعلہ رُو پر چاہیے دوزخ مجھے
خُلد کو کب ہے تحمّل اس دلِ محرور کا

ہم سیہ بختوں سے اِس کو گر نہ پڑتا کام ہائے
رنگ ایسا کاہے کو ہوتا شبِ دیجور کا

یادِ روے آتشیں سے نے دی وہ داغِ دل کو آگ
جل اُٹھا جُوں شمع پھاہا مرہم کافور کا

ساکنانِ تہ فلک پر دیکھیے کیسی بنے
نالۂ سوزاں کا ہے اب کی ارادہ دُور کا

کیوں نگہ بے صرفہ مشغل جام محفل میں نہیں
نشہ ہے ساقی کو اپنی نرگسِ مخمُور کا

بدحواسی ہجر کی شب کی ہے چہرے پر عیاں
کیا ارادہ ہے خدا جانے ترے مہجور کا

ذکر کچھ کر کے اُس پردہ نشیں کے حُسن کا
خُلد میں تسکین نے دیکھا تماشہ حُور کا

(۲)

نام لوگے جو یاں سے جانے کا
آپ میں پھر نہیں ہیں آنے کا

ہم کو طوفِ حرم میں یاد آیا
لڑکھڑانا شراب خانے کا

دَم لے اے چشمِ تر کہ دیکھوں میں
عالم اس گُل کے مُسکرانے کا

دیکھ سکتے نہیں وہ میرا حال
کیا سبب کہیے مُسکرانے کا

دلِ صد چاک کی بنا صورت
زُلف پر دل گیا ہے شانے کا

اب کی چھوٹوں قفس سے گلشن میں
آشیاں میں نہیں بنانے کا

جلوہ اس ضد سے وہ دکھا دینگے ہم کو دعویٰ ہے تاب لانے کا

سن کے وہ حال کہتے ہیں تسکیں
نام بھی کچھ ہے اس فسانے کا

(۳)

خنجر ترے ہاتھوں میں سنبھل جائے تو اچھا قاتل مرا ارمان نکل جائے تو اچھا
مر جائینگے پر دل نہ لگائیں گے کسی سے جی اور کسی ڈھب سے بہل جائے تو اچھا
ہر روز وہ ڈھونڈھے ہے کوئی تازہ خریدار صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا
آنے سے ترے جان تو ٹھیری بھی کوئی دم اک دم کیلئے جی بھی سنبھل جائے تو اچھا
تا حشر ترے دام سے مشکل ہے رہائی اس سودے کا مرکر بھی خلل جائے تو اچھا
مرکر بھی یہ کہتا ہوں کہ جو جی میں ہے میرے اس دم کی طرح جی سے نکل جائے تو اچھا

ہر شعر صفائی میں ہے اس رخ کی برابر
تسکین وہاں یہ بھی غزل جائے تو اچھا

(۴)

کوئی کب تک کہے دیدار کو دکھلا دکھلا آج ہی حشر سہی، جلوہ تو اپنا دکھلا
بات کرنے میں ہے ہر دم جو حجاب آئینہ دیکھتا کیا ہے، مجھے بھی تو خود آرا دکھلا
دیکھیں کیا میری طرف یاد ہیں ان کو اپنی خشمگیں غیر سے کرنا، مجھے دکھلا دکھلا
لطف جب ہے بیت کا ہو برہمن وہ غیرت حور محتسب گو ہیں ہم ساغر صہبا دکھلا

ذبح کرتے ہیں وہ اس شرط پہ ہمدم مجھ کو
کہ تڑپ کر مجھے تو اپنا تماشا دکھلا

غش ہوئے پر بھی مری طرح کھلی ہیں آنکھیں
سچ کہو آئینے نے تم کو دیا کیا دکھلا

جان دیتا ہے ہر ایک بات کو تسکیں کر یاد
تم نے کیا، اس کو دیا اپنا سراپا دکھلا

(۵)

اس کوئے میں موئے ہم، وہ لب بام نہ آیا
اے جذبۂ دل، تو بھی کسی کام نہ آیا

تھا میری طرح غیر کو بھی دعوئ الفت
ناصح تو اسے دینے کو الزام نہ آیا

بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری
صیاد یہاں لے کے کبھی دام نہ آیا

اس ناز کے صدقے ہوں تتے ہیں کہ عدو سے
سو بار سنا ہے، یہ مرا نام نہ آیا

کیا جانیے کس طرح دیا تو نے جواب آہ
قاصد کی زباں پر ترا پیغام نہ آیا

تسکین کرو دل کیا دل مضطر کا علاج اب
کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا!

(۶)

تو ایک ہی پرفن ہے تجھے کیا نہیں آتا
پر رحم مرے حال پہ حاشا نہیں آتا

آنے کی ترے گھر میں مرے کس نے اڑائی
دشمن کو تو ہر بات کا چرچا نہیں آتا

کیا لطف ہے انکار میں قاصد کی زبانی
کہنا وہ کس انداز سے ہوگا نہیں آتا

بیوجہ ہر اک بات پہ رنجش ہے ہمیں سے
دشمن پہ کبھی آپ کو غصہ نہیں آتا

جلانے سے تو قاصد کے ہو بھیج دل کو تسلّی — کیا جانیئے آتا ہو وہ یاں، یا نہیں آتا

جس وقت نظر پڑتی ہے اس شوخ پہ تسکیںؔ
کیا کہیئے، کہ جی میں مرے کیا کیا نہیں آتا

(۷)

سلجھا کے اس کی زلف گرفتار ہو گیا — تھا کام سہل، پر یہ مجھے دشوار ہو گیا
یعقوب ہی کا رشک زلیخا کو کم نہ تھا — یوسف کا کیوں جہان خریدار ہو گیا
سوئے وہ ساتھ شب کو مرے ہاتھ باندھ کر — میں بخت کو جگا کے گنہگار ہو گیا
مرتا ہوں اس پہ گو وہ قیامت ہی کیوں نہ ہو — ہم سے بھی اس کے ملنے کا اقرار ہو گیا
کیا منہ دکھاؤں وصل میں اس کو کہ ہجر میں — کہتا تھا اپنی جان سے بیزار ہو گیا

تسکیںؔ کے چلیئے گھر، کہ وہ جہاں ہو کوئی دن
کہتے ہیں اس کو عشق کا آزار ہو گیا

(۸)

وفا کی، لطف کچھ اس کا نہ پایا — شگوفہ گل ہوا، ثمرہ نہ پایا
تمھیں بھی کھولنی زلفیں پڑیں گی — دلِ گم گشتہ گر اپنا نہ پایا
نہیں یہ برق میں سرعت الٰہی — کہ نالہ منھ سے جب نکلا نہ پایا
ہوئی اپنے سے کیا کیا جنگ اپنی — جب اس کو جانبِ اعدا نہ پایا
ملے سو خضر اس کی جستجو میں — یہ کیا پایا کہ جو ڈھونڈا نہ پایا

بہت کوچے کی اس کے خاک چھانی — مگر نقدِ مرادِ اپنا، نہ پایا
رفو کو ہاتھ کیا پھیلائے ناصح — گریباں کا کوئی ٹکڑا نہ پایا
جگاتا بختِ خوابیدہ کو لیکن — کبھی اس ماہ کو تنہا نہ پایا
جہاں میں کوئی کام آیا نہ تسکیںؔ
کسی کو ہیں نے یاں اپنا نہ پایا

(۹)

جان کو انتظار ہے کس کا — دیدہ اُمید وار ہے کس کا
زہر کھاتا ہوں ہجر میں لیکن — موت پر اختیار ہے کس کا
شوخیاں اس کی یاد آتی ہیں — ہائے دل بیقرار ہے کس کا
دیکھ سنبل کو کہتے ہیں تسکیںؔ
طرۂ تاب دار ہے کس کا

(۱۰)

ملا جو داغ جبیں کو ہے روشنائی کا — حصول ہے یہی مسجد کی جبہ سائی کا
اجل کہاں شبِ غم میں مگر وہ آتے ہیں — کہ جان و دل کو ارادہ ہے پیشوائی کا
بُتوں کے ملنے سے زاہد ہوا ہے کیوں مانع — نہ اپنے سر پہ اُٹھا مظلمہ خدائی کا
تمہارے سامنے ہوتے ہی کھل گئے جوہر — بہت غرور تھا آئینہ کو صفائی کا
صبا نے لاکھ طرح شاخِ گُل کو دی جنبش — ادا سے دیکھ لچکنا تری کلائی کا

خدا کرے کہیں اس بت کو دیکھے واعظ
بہت غرور ہے حضرت کو پارسائی کا

نہیں ہے اور کوئی لامکاں میں اے تسکیں
گلہ میں کس سے کروں اپنی نارسائی کا

(۱۱)

ہجر کی شب میں نہ آئیگی تو کیا ہووے گا
کام ہم سے بھی کبھی تجھ کو قضا ہووے گا

جی ہے بیتاب وہ دشمن سے ملا ہووے گا
بار ہا چاہیں سو کہیں کہنے سے کیا ہووے گا

زندگی ہووے گی کس طور سے یا رب اپنی
دم میں سو بار اگر یوں وہ خفا ہووے گا

آج آتے ہیں جو کچھ شکوے کے مضمون جی میں
اس نے نامہ کوئی دشمن کو لکھا ہووے گا

حق کے کہنے سے نہیں ملتی ہے سولی منصور
تو نے دعویٰ کہیں الفت کا کیا ہووے گا

اس پہ کیا گزریگی دیکھے سے طواف کعبہ
ایک دم یار کے جو گرد پھرا ہووے گا

اتنی سرخی شفق چرخ میں کس دن تھی مگر
عاشق زار کا کچھ رنگ اڑا ہووے گا

گھر میں برہم ہے جو وہ فتنۂ دوراں ہمدم
مجھ پہ طوفان کوئی تازہ اٹھا ہووے گا

آج جو عرش پہ ہے ایسا دماغ اے ظالم
کوئی دشمن تری نظروں سے گرا ہووے گا

کام کیا حور بہشتی سے ہے واعظ اس کو
جس کو انسان کی چاہت کا مزا ہووے گا

(۱۲)

تیرا قول و قرار تھا کیسا
تجھ کو مجھ سے پیار تھا کیسا

اب جدائی میں جان گئی اپنی
عشق ناسازگار تھا کیسا

عشق نے ہائے کھو دیا ہم کو
یار کو اعتبار تھا کیسا

پھر خود آرائیاں لگے کرنے
شب مجھیں انکسار تھا کیسا

تلخ کامانِ وصل سے مت پوچھ
بادۂ شب خوشگوار تھا کیسا

ساعتیں گن کے رات کاٹی ہے
اُنگلیوں پہ شمار تھا کیسا

اصل مطلب نہ کچھ کہا اُن سے
نامہ بر رازدار تھا کیسا

مے تو پیتے تھے روز کل ساقی
لُطفِ ابرِ بہار تھا کیسا

تم کو بھی یاد ہیں وہ دن کہ ہمیں
آپ پر اختیار تھا کیسا

بخشش تسکیں کو بے حساب، ترا
وعدہ آمرزگار تھا کیسا

(۱۳)

کرتے تو ہیں اس مت کو اگر رام نہ ہوگا
زاہد کی نظر میں ہمیں الزام نہ ہوگا

اس بزم میں آتا نہیں توبہ کا خدا پاس
ناصح تجھے ساقی نے دیا جام نہ ہوگا

مر جائینگے ہم اور کسی طرح شبِ ہجر
گر موت کا کچھ تجھ سے سرانجام نہ ہوگا

کیا رکھیں توقع کہ دمِ مرگ ملیں گے
اس وقت بھی آنا ترا خود کام نہ ہوگا

ناداں مری رسوائی کی مت کیجو شکایت
یہ نام نہ ہوگا تو ترا نام نہ ہوگا

اس ڈھب کے تڑپنے سے یقیں ہے مجھے اے شوخ
تسکیں کو پسِ مرگ بھی آرام نہ ہوگا

(۱۴)

نہیں ملتا و مانع قاصد کا — اس کے خط کا جواب کیا لایا
ربط اپنے دکھانے کو مجھے بے خبر — نام ہے آپ کے بلا لایا
یہ نہ لکھتے وہ مجھکو اے قاصد — اور سے خط ہے تو لکھا لایا
اپنی مسجد میں لائینگے واعظ — اب کی اس بت کو گر خدا لایا

بیٹھے تسکیں تھے روٹھ کر وہ شوخ
دے کے دو جھڑکیاں اُٹھا لایا

(۱۵)

دیا دل کس کی قامت پر، کسے سرو رواں باندھا
یہ بہتاں تو نے مجھ پر بیگنہ، اے بدگماں باندھا
جلایا سوزِ اُلفت نے وہاں بھی، دیکھنا قسمت
پے آرام گو طوبے پہ ہم نے آشیاں باندھا
نہیں آگاہ شاید صنعتِ اغراق سے تسکیں
تری دم کی جدائی کو فراق جاوداں باندھا

(۱۶)

تنگ ہیں وسعت کے ہاتھوں جوشِ سودا ہو چکا
دو قدم چلنے نہ پائے تھے کہ صحرا ہو چکا

بات میری بھی سمجھ ناصح، نصیحت ہو چکی
دل دیا جس نے وہ عاشق اور دانا ہو چکا

دیکھنا خانہ خرابی عشق تب اس پر کھلا
جب کہ میں کم بخت اک عالم میں رسوا ہو چکا

زلفِ پُر خم سی کہو اب اس کی پیچش ہے عبث
اس کے بل کھانے سے پہلے مجھ کو سودا ہو چکا

دیکھ کر اس شوخ کو تسکیں ہوئے بیتاب کیا
تھا جو کچھ صبر و تحمل کا وہ دعویٰ ہو چکا

(۱۷)

بے خطا ہیں تیری زلفیں وا ہوا ۔۔۔ میں نے سونگھا تھا مجھے سودا ہوا
دیکھئے کہتا ہے کیا مجھ پر بنی ۔۔۔ نامہ بر آتا ہے کچھ بگڑا ہوا
دیکھ کر قامت کی اس کے راستی ۔۔۔ ناصح کم فہم بھی سیدھا ہوا
کی نصیحت اور ناصح نے مجھے ۔۔۔ اس گلی میں گر کوئی رسوا ہوا

کہتے ہیں تسکین ان سے حالِ دل
وہ یہ کہتے ہیں کہو پھر کیا ہوا

(۱۸)

رحم کس کو دمِ فریاد آیا ۔۔۔ مجھ کو نالے کا اثر یاد آیا

کیوں کھلی رہ گئی چشمِ حیراں — کیا ترا روزنِ در یاد آیا

بھول جائینگے وہ اغیار کو ہیں — مر گئے یہ بھی اگر یاد آیا

وحشت اب لاش کو لے بھاگیگی — تنگیِ گور سے گھر یاد آیا

گریہ ابر پہ کیوں ہنستے ہو — کیا مرا دیدۂ تر یاد آیا

بھر گئی آن کے جاں ہونٹوں تک — کون ہنگامِ سفر یاد آیا

رہ گئے دستِ حنائی کو دیکھ — کون سا دستِ نگر یاد آیا

دلِ صد پارہ کے خوں ہوتے ہی — ناخنِ غم کو جگر یاد آیا

کوچۂ یار میں ہم نے تسکیں
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

(۱۹)

اس سے بہتر تھا جو دوزخ میں ٹھکانا ہوتا
بزمِ دشمن میں ترے ساتھ نہ جانا ہوتا

لاکھ ڈھب یار بنا لینے کے ہیں درباں کے
اس کے در تک کوئی جانے کا بہانا ہوتا

دے کے دل ان سے وہیں قول و قسم ہمنے لیا
اور کیا دل کے لگانے کا سلیقہ ہوتا

جھوٹے ہیں وصل کے پیغام یہ سارے قاصد
آپ آتے وہ اگر اور ارادہ ہوتا

حیا ہیں سو غیر کہیں، سامنے اس بدخو کے
ہم بھی کچھ کہتے اگر کہنے کا یارا ہوتا

کیا ہوا طوفِ حرم سے تجھے حاصل زاہد
پُوجتا بُت کو تو رہبانِ کلیسا ہوتا[۱]

عشقِ کم حوصلہ ہے دشمنِ ناموسِ وفا
آپ سے تو نہیں، ناصح، کوئی رُسوا ہوتا

حال سُنتے ہی مرا وان یہ ہوئے پردے میں
میں نے اے کاش عزیزوں سے چھپایا ہوتا

خار پامال کیے، تنکے چُنے، صاف کیا
اس پہ وحشت کو مری تنگ ہے صحرا ہوتا

نامہ بر شکر ہے، دشمن نے نہ دیکھا، تو نے
لے کے خط ان سے مرا نام مٹایا ہوتا

---

[۱] اصغر گونڈوی:-
صنم خانے میں کیا دیکھا کہ جاکر کھو گیا اصغر
حرم میں کاش رہ جاتا تو ظالم شیخِ دیں ہوتا

سب یہ کہتے ہیں برا ہوتا ہے دل کا آنا
پہلے ہی جی سے گزر لیتے جو ہم، اچھا ہوتا
غیر پر آپ کے آتے ہی کھلا رازِ نہاں
اس سے تم آپ نہ چھپتے جو چھپایا ہوتا
کوستے ہیں مجھے وہ، ہائے کروں کیا تسکیں
آپ کچھ کھا کے تو مرنا نہیں اچھا ہوتا

(۲۰)

ثابت تمہارے پوچھنے سے مدعا ہوا
حیران ہوں کہ دل مرا پہلو سے کیا ہوا
سنبل کو پیچ و تاب دکھا دیجئے تم ابھی
عقدہ جو کوئی زلف سے اس گل کی وا ہوا
اس جانِ جاں سے اور عدو سے بگڑ گئی
گزرا جو آج ہے وہ مجھے دیکھتا ہوا
آتا ہے تو کہاں سے جو کہتا ہی کچھ نہیں
قاصد سمجھ کے بات تو کہہ تجھ کو کیا ہوا
کیا پوچھتے ہو ملنے سے کیوں یاس ہے مجھے
تسکیں بے سبب ہی وہ اب کی خفا ہوا

(۲۱)

نہیں ہے جنسِ گراں بہا بھی قدرداں میرا
رہا سفر ہی میں ہموار کارواں میرا
وہ رازدار نہیں جو ہے رازداں میرا
زبانِ خلق پہ پہنچا دیا بیاں میرا
نہ پوچھ سوزِ محبت کی چارہ فرمائی
ہر ایک زخمِ جگر ہے نمک فشاں میرا

جو مجھ پہ گزری ہے جی جانتا ہے اے ہمدم
نہ پوچھ حال نہیں قابلِ بیاں میرا

اُٹھاؤں غیر کو اس بزم سے ابھی تسکیںؔ
جو بیٹھے چین سے اک دم دلِ تپاں میرا

(۲۲)

نکلا نہ حرف منھ میں جو اپنی زباں میں تھا
تھا نالہ زیرِ نالہ یہ کام وہ وہاں میں تھا

لیتے تھے سر پہ چرخ کو اُٹھا شورِ نالہ سے
وہ دن گئے جو زور تنِ ناتواں میں تھا

آتی ہیں نماز پڑھتے ہیں شب مجھ کو ہچکیاں
کیا جانے ذکر کیا مرا بزمِ بتاں میں تھا

کیونکر نہ سب ہوں خوش کہ ہوا صرف مجھ پہ وہ
کینہ بھرا ہوا جو دلِ آسماں میں تھا

کس کس طرح سے بزم میں بیٹھے ہیں منہ بنا
وہ دیکھتا ہے بس کہ اپنے گماں میں تھا

کھائی ہے اس نے میرے لہو پینے کی قسم
نکلا وہ اب تو زہر کا بھر سا جو جہاں میں تھا

تسکیںؔ جاں بلب ہے لگا تیرے منھ پہ منھ
مت پوچھ کیا اثر تری کافر زباں میں تھا

(۲۳)

ہم کو ہر دام میں لازم ہے پھنسانا دل کا
سیکھے ہیں تیری نگاہوں سے لگانا دل کا

بن سنے اُس کو کہانی کے نہیں آتی نیند
جب سے مشہور ہے عالم میں فسانہ دل کا

ایسے دیوانے کا عالم میں نہیں اور علاج
تھا مناسب تری زلفوں میں پھنسانا دل کا

جی پہ جو گزری ہے تسکیںؔ نہ کہنا ہرگز
ایسے بے رحم کو کیا حال سنانا دل کا

(۲۴)

اس سرو قد کے رخ سے لگا کرنے ہمسری — آئینہ ہو نہ جائے سزاوار دار کا
بے طاقتی سے ہاتھ جو ہلتے نہیں جنوں — ملتا نہیں زمانہ گریباں کے تار کا
قسمت تو دیکھ جتنے کیے شکوے ہجر کے — ان کو گماں ہوا گلۂ روزگار کا
بیتاب کیوں نہوں تری شوخی کو دیکھ کر — آتا ہے حال یاد دل بے قرار کا
اس سبزہ خط پہ بس نہ چلا زہر کھا موئے — مجبور ہو کے کام کیا اختیار کا

بے داد خواہ کس کے ستم کا یہ اے خدا
تسکیں کو انتظار ہے روز شمار کا

(۲۵)

حال دل کہہ کے شرمسار ہوا — اس کو ہرگز نہ اعتبار ہوا
حشر میں کیا کریں گے ان سے حساب — ہم پہ کیوں ظلم بے شمار ہوا
نالہ پھر کر مری طرح بلبل — گل کو چاہت کا اعتبار ہوا
میرے داغ جگر کی صورت میں — گل تمغے کیوں گلے کا ہار ہوا

ہاتھ پہلو سے پھر جدا نہ ہوئے
خواب میں وہ جو ہمکنار ہوا

(۲۶)

غیر کا شکوہ بجا ہے مجھے اب پردہ نشیں — کون تھا یہ جو اٹھائے تری چلمن آیا

چاہیے تھا اُسے انعام جوابِ خط پر — بن کے قاصد ہے مری جان کو دشمن آیا
لے چلے جانبِ فردوس فرشتے مجھ کو — فاتحہ پڑھنے کو وہ جو سرِ مدفن آیا
گرچہ اک عمر سے ہے دست و گریباں میں ربط — ہے یہ افسوس کہ ہاتھ اس کا نہ دامن آیا
ٹھیر کر جان تو لینا ملک الموت ذرا — دھیان اُس لب کا ہے مجھ کو دمِ مردن آیا
وعدۂ حشر پہ ٹھہرایا ہے دل کو یارب — پھر قیامت ہے جو وہ جانبِ مدفن آیا

دل کو لے ہاتھ میں بیٹھا ہوں سرِ رہ تسکیں
آ ہی لے گا جو یہاں تک کوئی رہزن آیا

(۲۷)

چلے اس طرح، جوں سروِ چراغاں ہو محرم کا
پڑے طوبےٰ پہ گر سایہ ہمارے نخلِ ماتم کا
ہزاروں مر گئے دیکھا جو عالم سوگ میں اس کا
لباس، آیا تھا وہ کافر پہن کر میرے ماتم کا
کہا آہوں نے، اس کافر کے ہے دل میں اثر دیکھو
غلط ہے یہ جو کہتے ہیں، بھروسا کچھ نہیں دم کا

(۲۸)

ہائے مرتا ہوں میں، وعدہ ہے یہ کل کا کیسا — میرے جینے کا ہے صاحب کو بھروسا کیسا
سیرِ گلشن کے لیے جاتے ہو تو خنجر کے ساتھ — دیکھنا میں بھی دکھاتا ہوں تماشا کیسا

میں نے اس زلف کو سونگھا ہے مری جانِ بلا
مشک کیا چیز ہے اور عنبرِ سارا کیسا

شکل اچھی بھی جو دیکھو تو بگڑ جاتا ہے
ہائے اس دل نے کیا ہے مجھے رسوا کیسا

تھا مرے پہلو میں وہ غیرتِ یوسف شب کو
خواب دیکھا ہے نیا تو نے زلیخا کیسا

گر نہیں بام پہ دیکھا اس کو دیا دل تسکیں
ہر گلی کوچہ میں ہوتا ہے یہ چرچا کیسا

(۲۹)

ناصح اس اضطراب میں اک بے یقیں ہوا
سچ کہتے ہو مجھے کہ تو عاشق کہیں ہوا

ہم گنتے رہ گئے شکنِ زلفِ خم بہ خم
دل مبتلائے عشوۂ چیں بر جبیں ہوا

میں بے وفا ہوں سچ ہے نہ بن اتنا بدگماں
دشمن کی بات کا مجھے کیونکر یقیں ہوا

اے دل اسیر ہونے میں اب تو کمی نہ کر
صیاد کو غضب ہے کہ داغِ کمیں ہوا

لایا جواب نامے کا قاصد کی شان دیکھ
تجھ کو یقینِ آمدِ روح الامیں ہوا

(۳۰)

میں دم کو سنبھل جاتا، قاصد کا بھلا ہوتا
گر تم کو نہ آنا تھا وعدہ ہی کیا ہوتا

کرتے ہیں سفارش سب، ناصح بھی گیا ہوتا
یوں وعظ جو کرتا ہے کچھ ان سے کہا ہوتا

ہم یاد میں اس قد کی نالے ہیں کیا کرتے
محشر کا سا ہنگامہ ہر شب ہے بپا ہوتا

سنتے ہیں ہوا دشمن، کیوں کر مجھے باور ہو
تم مجھ سے نہ یہ کہتے کچھ تم نے سنا ہوتا

جو چاہو سو کہو کہنہ رو، پر اتنی خبر رکھو — کیا کہتے تے ہو تم منچلے، عالم میں ہے کیا ہوتا
تھوڑا سا کہیں اپنا ہم حال دکھا لیتے — اک دم بھی اگر تم سے آئینہ جدا ہوتا
بیتابی سے دل اک دم تھمتا ہی نہیں، ہے ہے — کمبخت نے ابھی ان کی نظروں سے گرا ہوتا
اب ہم سے مرتا ہوں، رستہ نہ کہیں بھولے — پہنچانے کو قاصد کے میں آپ گیا ہوتا
(کرتے ہیں سفارش سب ناصح مری ان جا کر — تم نے بھی ذرا اُن سے کچھ منھ سے کہا ہوتا)

تم صبر کرو تسکیں کرنے دو ستم ان کو
دو دن کے تامل میں دیکھو تو ہے کیا ہوتا

(۳۱)

رنگ اُلفت سے نہیں اُڑتا ہے گر تعویذ کا — سونا کیوں میلا ہوا ہے سیم بر تعویذ کا
ڈر ہے عالم کو مری وحشت سے بعد مرگ بھی — ورنہ کیا تھا کام میری گور پر تعویذ کا

سر جو رکھا پاؤں پر تو رحم اس کو آ گیا!
نقش پیشانی میں پنہاں تھا اثر تعویذ کا

(۳۲)

غیروں کو اشارہ ہے مرے قتل پہ ناحق — یہ جنبش ابرو ہے تو سر کا ہے کو ہو گا

(۳۳)

آہوں نے سوز پنہاں شب بھر جتا کے چھوڑا — اک گنج تھا کہ آگے اس دلربا کے چھوڑا
پیماں پہ ہاتھ اس کا قابو میں آ چکا تھا — یہ سادگی ہے دل کی مجھ کو بلا کے چھوڑا

اُس بدمزاج کے میں کیونکر نہ جاؤں صدقے — غیروں نے واں کا جانا پھر ننگ آ کے چھوڑا

آزاد تو ہوں لیکن وہ صیدِ ناتواں ہوں
صیاد نے بھی جس کو کچھ رحم کھا کے چھوڑا

(۳۴)

اس در سے نہ جاؤں گا کبھی لاکھ کہو تم — دشمن ہی سہی تابعِ فرمان تمہارا
ہوتے ہو عبث دیکھنے سے میرے خفا تم — کیا اس میں بگڑتا ہے مری جان تمہارا
یاں آئے سو کس واسطے جلتا ہے ہمارے — عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

مشتاق ہوا پھر اسی ظالم کا صد افسوس
تسکیں نہ سمجھا دلِ نادان تمہارا

(۳۵)

سہل سمجھے ہو اس کا آجانا — تم نے تسکین دل کو کیا جانا

(۳۶)

نہ آئے اس پہ بھی مرنا تو سو سو ننگ ٹھہرایا — قضا کو ناتواں ہم نے اجل کو لنگ ٹھہرایا
صدائے چاکِ پیراہن بھلی لگتی ہے وحشت میں — جنوں نے رشتۂ جامہ کو تارِ چنگ ٹھہرایا
ہوا غیروں کا منہ فق دو ہی ان میں دیکھ کر مجھ کو — اگرچہ جان دی ہے پر نہ منہ پہ رنگ ٹھہرایا
مجھی سے پوچھے ہے ہر دم وہ رشکِ غنچہ کو معنی — کتابِ دل کو اس نے نسخۂ فرہنگ ٹھہرایا
گزر اس ناتواں کا کب ہوا اس کوچہ میں جس نے — نگاہِ مور کے میداں کو سو فرسنگ ٹھہرایا

نہ دکھا اسکے کوچہ میں مجھے اک آن کو دیکھو — گرے طالع کی گردش نے فلک تک لنگ ٹھہرایا
گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو! — فضائے کوچۂ لیلیٰ کہ جس نے تنگ ٹھہرایا

(۳۷)

رہنے والوں کو ترے کوچے کے یہ کیا ہو گیا
میرے آتے ہی یہاں ہنگامہ برپا ہو گیا

تیرا آنا تھا تصوّر میں تماشا شمع رُو
میرے دل پہ رات پروانوں کا بلوا ہو گیا

ضبط کرتا ہوں ولے اس پر بھی ہے یہ جوش اشک
گر پڑا جو آنکھ سے قطرہ وہ دریا ہو گیا

اس قدر مانا بُرا میں نے عدو کا سُن کے نام
آخر اس کی ایسی باتوں کا تماشا ہو گیا

کیا غضب ہے التجا پر موت بھی آتی نہیں
تلخ کامی پہ ہماری زہر میٹھا ہو گیا

دیکھیو خانہ خرابی غیر واں قابض ہوا
جس کے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو گیا

(۳۸)

ہے غنیمت اسے ہر روز تماشا ہونا — کام آیا مرا اس کوچے میں رُسوا ہونا

خوبصورت نہ ہو کوئی تو نہ ہو بدنامی — سچ تو یہ ہے کہ برا ہوتا ہے اچھا ہونا

عشق میں ہوتی ہیں مر کر بھی بلائیں دیکھو
میری قسمت میں لکھا ہے ابھی کیا کیا ہونا

(۳۹)

کہتے ہیں رنجشِ ظاہر میں مزا آتا ہے — یوں ہی تم مجھ سے ذرا ہو کے خفا ملنا

(۴۰)

میں چپ پڑا رہا دلِ بسمل نے کیا کیا!
جنبش نہ کی یہ ابروئے قاتل نے کیا کیا!
کھولے ہے اس کی زلف گرہ در گرہ کے بیچ
جی لگ گیا تو عقدۂ مشکل نے کیا کیا!

(۴۱)

جب لگی مجھ کو تو چرچا یہی پھر واں ہوگا
راز اپنا نہ خموشی میں بھی پنہاں ہوگا
جان جائے گی تڑپتے ہی تڑپتے تسکیںؔ
بے قراری سے مری درد کا درماں ہوگا

(۴۲)

تم کو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے — جو ربط کہ اس دست و گریباں میں دیکھا

(۴۳)

ذکرِ تسکیں نے کیا آپ سے جانبازی کا
ایک حیلہ ہے یہ شاعر کی سخن سازی کا
تو کہاں پردہ نشیں صحبتِ اغیار کہاں
شوقِ ناصح کو ہے کیا شعبدہ پردازی کا
مار ڈالے نہ کوئی تیغِ نگہ سے تسکیں
تم کو لپکا ہے بہت ہائے نگہ بازی کا

(۴۴)

بات کو کہتے ہیں، ہوتی ہے دہن سے پیدا — تو بھی کچھ کہہ کہ دہن ہووے سخن سے پیدا

(۴۵)

اُس نے مارا خلق کو اس نے ڈبویا اک جہاں — تیرا ہنسنا اور مرا رونا برابر ہو گیا
شور یہ برپا کیا اس کے خرامِ ناز نے — داورِ محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا[۱]

(۴۶)

نمایاں ہو کچھ آہوں سے اثر آج — کوئی ہو جائے شاید کارگر آج
نہ جا ایجان تو دشمن کے گھر آج — کہ ہم بچتے نہیں آتے نظر آج

۱؎ یہ شعر دیوان میں نہیں، کریم الدین سے لیا گیا ہے۔

جو تجھ میں جذبِ دل تاثیر ہی کچھ ۔۔۔ تو آئیگا اُدھر سے نامہ بر آج
لیا کیوں نام دشمن چڑ سے میری ۔۔۔ مجھے چھیڑا ہے تم نے جان کر آج
سبب کیا ہے بتا تو اے شبِ ہجر ۔۔۔ نہیں ہوتی نہیں ہوتی سحر آج
کبوتر لے گیا واں نامۂ غیر ۔۔۔ سُنی اُڑتی سی ہیں نے یہ خبر آج
کہو سیج وصل کی ٹھہری ہے کس سے ۔۔۔ کہ عالم اور ہی ہے آپ پر آج

عجب صورت بنی ہے غم سے تسکیںؔ
پڑی ہے حال برا پنے نظر آج

(۴۷)

کچھ بھی سمجھا وہ مدعا قاصد ۔۔۔ پڑھ کے خط اس نے کیا کہا قاصد
دیں گے سب کچھ تجھے، کہ مرتے ہیں ۔۔۔ تو اگر جلد آئے گا قاصد
مت چھپا نامہ غیر کا ہم سے ۔۔۔ تو ہمارا ہے آشنا قاصد
پڑھ کے خط تجھ سے پہلے آئیں گے ۔۔۔ رحم گر ان کو آگیا قاصد
اور کے ہاتھ بھیجیں گے اب خط ۔۔۔ تو نہ کہہ واں کا ماجرا قاصد
تیری باتوں پہ پیار آتا ہے ۔۔۔ پھر کہو، اس نے کیا کہا قاصد
یا یہ سلطانِ ہفت کشور ہے ۔۔۔ یا یہ ہے میرے یار کا قاصد
خاک ہم ہو گئے وہاں خط کے ۔۔۔ منتظر ہے، جواب کا قاصد
کیسی حسرت برستی منھ پر ۔۔۔ خط جو دے کر اُدھر چلا قاصد

کیا تسلی ہو کہتے ہیں تسکیںؔ !
واں سے دو دن میں آئیگا قاصد

(۴۸)

اس پہ جی سے گزر گئے شاید — نامہ بر جا کے مر گئے شاید
قاصد آتا نہیں خجالت سے — خط وہ لے کر مکر گئے شاید
آئی جو ماہتاب میں رونق — بام سے وہ اتر گئے شاید
ہم کو اپنی خبر نہیں ہمدم — دیکھ تو آ کے مر گئے شاید
خندہ زن ہے ہر ایک زخم جگر — دل کے ناسور بھر گئے شاید
دلِ خانہ خراب مرتا ہے — وہ نہیں اپنے گھر گئے شاید
کرتے ہیں ترک عاشقی تسکیںؔ
جاں نثاری سے ڈر گئے شاید

(۴۹)

رہتے ہیں یونہی تو روز ہی ان کے کواڑ بند — کیا جانے آج کیا ہو جو کی ہے دراڑ بند
ہوتا نہ میرے ہاتھ لگانے سے گر غبار — تو باندھتے قبا کے نہ وہ چار چار بند

(۵۰)

جنسِ دل کی مرے کچھ قدر نہ ہو گی افسوس
تم وہ لیتے ہو کہ کر دیں جسے اغیار پسند

(۵۱)

دل جو ہیں دینے لگا شب روئے جاناں دیکھکر
کیسی بل کھانے لگی زلفِ پریشاں دیکھکر

پھر چلے وہ ناز سے دامن اُٹھا کر، ہے ستم
کچھ نہ رحم آیا مرا حالِ پریشاں دیکھکر

خوب ہی اُس بت کے جلوے کا دیا دھوکا خدا
کیسے جھگڑے میں پڑے گبر و مسلماں دیکھکر

ہم صفیرو، رشک ہے عالم کو اپنی موت پر
ہم موئے چاکِ قفس سے کیا گلستاں دیکھکر

سب ہیں حاضر آؤ، دم کو، جو پسند آئے سو لو
جان و دل، صبر و تحمل، دین و ایماں دیکھکر

تجھ کو بھی تابِ نظر میری طرح سے گر نہیں
آئنہ کیوں رکھ دیا، اے مہرِ تاباں دیکھکر

اے جنوں رخصت نہیں سر پھوڑنے کی ضعف سے
حسرت آتی ہے، در و دیوارِ زنداں دیکھکر

جی میں آتا ہے خدا سے کہئے اپنا رازِ دل
عشق میں پردہ نشیں کے رازِ پنہاں دیکھکر

سادہ لوحی سے مجھے ہوتی ہے امید اثر
اور رہی دل میں وفورِ یاس و حرماں دیکھکر
یہ غضب کے زیرِ لب رکتے ہیں سُن تسکیں سی تو
دل پہ مت رکھ ہاتھ میرے اپنے مژگاں دیکھکر

(۵۲)

ہوئے تھے بھاگ کے پردے میں تم نہاں کیوں کر
وہ پہلی وصل کی شب شوخیاں تھیں یاں کیوں کر
فلک کو دیکھ کے کہتا ہوں جوشِ وحشت میں
الٰہی ٹھیرے مری آہ کا دھواں کیوں کر
تمھارے کوچے میں اس ناتواں کا تھا کیا کام
مجھے بھی سوچ ہے آیا ہوں میں یہاں کیوں کر
زباں ہے لذتِ بوسہ سے بند اے ظالم
مزہ بھرا ہے جو دل میں کروں بیاں کیوں کر
شبِ وصال سے شکوے ہزاروں ہیں جی میں
الٰہی بند رہے گی مری زباں کیوں کر
حذر ضرور ہے اب کی اثر سے دیکھو تم
اٹھا لیا مری آہوں نے آسماں کیوں کر

(٥٣)

بات دو چار میں چھپتی نہیں افشا ہو کر — کچھ میں کہنے کو ہوں سن لیجئے تنہا ہو کر

(٥٤)

تجھ کو آنا ہی عیادت کو اگر اب بھی تو آ — پھر گیا احوال کو میرے مسیحا دیکھ کر
اس گلی میں اژدہام اغیار کا یاد آ گیا — دل میں جوش حسرت و یاس تمنا دیکھ کر
دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن ہو وہ
کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھ کر

(٥٥)

گر مر کے چھٹے دل کی طپش سے تو عزیزو — تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر

(٥٦)

اس کو نہیں مجھ کو جانے سے کرتا ہی منع ہائے — ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبان غیر

(٥٧)

لگا جو دیکھنے اس چشم فتنہ گر کی طرف — تو اس نے غور سے دیکھا مری جگر کی طرف

(٥٨)

مرتے ہیں داغ دل سی عبث ہمنے کھائے گل — اس نے ہماری خاک پہ کیوں ن چڑھائے گل
دیکھی ہیں اُن سے غنچہ دہن کی نزاکتیں — میری نظر میں کیوں کہ الٹی سمائے گل
واشد کریگی غنچے کی کیا شبنم و نسیم — ہے میرے آہ و نالہ سے نشو و نمائے گل

دیکھی ہیں رشک گل پہ تری جامہ زیبیاں
بیجا ہے چاک چاک نہیں ہے قبائے گل

گلشن میں سینکڑوں ہی پڑے رہتے ہیں خار کے
تو نے ہی عندلیب ہیں گر سر چڑھائے گل

آیا ہے یاد درد ترے دل کا اے نسیم
اپنے لیے نہ وصل میں ہم نے بچھائے گل

تزئین میری وصل میں بیدرد نے یہ کی
سینے کے داغ ہمیں کے سارے بنائے گل

ہے دل بھی کیا متاع کہ لینے کے واسطے
گلشن نے عندلیب کو کیا کیا دکھائے گل

تسکیں ہی خوش نصیب ہے الفت میں ورنہ یوں
چھاتی پہ عندلیب نے کس دن نہ کھائے گل

(۵۹)

اے شوق بوسہ اس کی تلاش دہن میں ہم
اتنا پھرے کہ کھوئے گئے ہیں وطن میں ہم

بھولے ہیں اپنے آپ کو فکر سخن میں ہم
عزت سخن سے پائیں نہ کیوں انجمن میں ہم

اس گل کی اے صبا ہمیں لا دے ابھی خبر
جاتے ہیں ورنہ خاک اڑاتے چمن میں ہم

آتا ہے آپ رشک ہمیں اپنے حال پر
بکتا ہیں ایسے محنت رنج و محن میں ہم

ہر قطرہ مشک نافہ ہے سودے میں زلف کے
بیچیں گے اپنے خوں کو ختا و ختن میں ہم

(۶۰)

اس فکر میں مرتے ہیں شب و روز کہ کیونکر
دیکھیں گے تری شکل دم بازپسیں ہم

دیکھا ہے تمہیں خواب میں شب غیر سے ملتے
اب لاکھ قسم کھاؤ نہ لائیں گے یقیں ہم

(٦١)

اے چشمِ سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر تھے ستمِ آسماں سے ہم

طغیانِ بحرِ اشک ڈراتا ہے کس لیے
بیزار آپ بیٹھے ہیں بارِ جہاں سے ہم

(٦٢)

سراپا کا اس کے تماشا کریں
جو قالب میں وہ ہو تو کیا کیا کریں

محبت میں کچھ نام پیدا کریں
ذرا آپ کو ہم بھی رسوا کریں

بہت قدر و قیمت کی ہے جنسِ دل
نگہ پر تری کیوں کہ سودا کریں

محبت میں ہوتا ہے آخر جنوں
ابھی سے گریباں کو پھاڑا کریں

دکھاؤں گا میں اپنی دیوانگی
پریشاں وہ زلفِ چلیپا کریں

چھٹیں رنجِ طاعت سے زاہد ابھی
کرم پر گر اس کے بھروسا کریں

(٦٣)

باتیں عدو سے کرتے ہیں وہ اور زباں نہیں
حیرت سے میں خموش ہوں گویا زباں نہیں

یہ راست گو عدو کو سمجھتے ہیں عشق میں
کرتے کسی طرح وہ مرا امتحاں نہیں

وہ پوچھتے ہیں وصل میں فرقت کا ماجرا
یاں اب بھی ہے یہ حال کہ تابِ بیاں نہیں

قاصد اُدھر گیا ہے ترے پیچھے دل مرا
کچھ اس کی بھی خبر ہے کہاں ہے کہاں نہیں

کہتا ہوں حشر میں ترا دیدار دیکھ کر
دونوں جہاں کو میں نے دیا رائیگاں نہیں

کب تک رہے گا دیکھیے انکارِ عشق سے
تسکین جو دل میں ہے ترے منہ پر عیاں نہیں

(۶۴)

شکوۂ ظلم کی مجال نہیں
رحم معلوم جب کہ قال نہیں

اُن سے شکوہ کیا ستم کا ہائے
لطف کے قابل اپنا حال نہیں

کبھی کہتا ہوں وصل مشکل ہے
کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں

ہم کو یوں نیند آئی ہے گویا
صبح ہو گی شبِ وصال نہیں

خاک تدبیرِ مرگ کی کیجیے
ذہن کو بھی تو انتقال نہیں

کرے تحقیق کس نے کی چشمک
ابھی آنکھیں مری نکال نہیں

اس پہ مائل ہوں کیا کہوں تسکیں
جس سے اک بات کی مجال نہیں

(۶۵)

کس لیے ضبط نہیں، صبر نہیں، خواب نہیں
گر مری جان کا خواہاں دلِ بیتاب نہیں

دیجیے انعام تجھے اس کا بتا کیا قاصد
نامہ بے نام ہے سرنامے کا القاب نہیں

مجھ پہ بہتان ہے تڑپنے کا سراسر تسکیں
میرے پہلو میں بھی اب تو دلِ بیتاب نہیں

(۶۶)

ہر خار گو ہے دشت میں نشتر سے کم نہیں
ہوتا جنوں کا جوش مرے سر سے کم نہیں

گھبرا رہا ہوں آتے ہیں دیوار و در نظر
وحشت کا جوش دشت میں بھی گھر سے کم نہیں

قاصد نہ کر تو ذکر کہ شکوہ یہ غیر کے — لکھیں گے وہ جواب میں دفتر سے کم نہیں
اے چشمِ خونفشاں نہیں کرنے کا ضبط اشک — ہر موئے تن مرا مژۂ تر سے کم نہیں

روتی ہے خلق کہتے ہیں تسکیںؔ حالِ دل
ہنگامہ تیرے کوچہ میں محشر سے کم نہیں

(۶۷)

کیا کیا مزے سے رات کی عہدِ شباب میں — چھوڑوں نہ عمر رفتہ کو گر آ جائے خواب میں
اک دل کے واسطے یہ پھنسے وہ عذاب میں — رہتے ہیں اپنی زلف ہی کے پیچ و تاب میں
ہے شوقِ وصل تجھ سے لپٹتا ہوں بار بار — ورنہ یہ مستیاں تو نہیں تھیں شراب میں
اتنی نہ کیجیے جانے کی جلدی شبِ وصال — دیکھے ہیں میں نے کام بگڑتے شتاب میں
ہو جائے چاک سینہ کہ دل گھٹ کے مر چلا — اے چارہ جو کسی کو پھنسا مت عذاب میں
کر بحر و بر کی ہستیِ موہوم پر نظر — تھوڑی سی خاک ڈال دی چشمِ پُر آب میں
تب قتل گہ میں قتلِ عدو کو چلے ہیں وہ — بھر الہو ملا کے پیا جب شراب میں
کن محنتوں سے وصل پہ راضی ہوئے ہیں وہ — سو نامہ بر ہوئے جو سوال و جواب میں

اخترؔ شماریوں میں نکلتا ہے دم کہیں
تسکیںؔ تمہیں کو دخل نہیں ہے حساب میں

(۶۸)

سامانِ گریہ کیا ترے نالاں کے پاس ہیں — سوختہ دل تو جنبشِ مژگاں کے پاس ہیں

دوزخ کو حس سے ہے تمنائے جلنے کا ڈر مدام
وہ شعلے میری نالۂ سوزاں کے پاس ہیں

کھلتی ہے کوئی میری پریشانی کی گرہ
عقدے تمام کاکل پیچاں کے پاس ہیں

ہو جائے زخم اس کے نمکداں سے یہ کہو
ناسور بھی جراحت مژگاں کے پاس ہیں

طوفاں نوح کے جو سنے غل ہیں آپ نے
وہ میری نیم جنبش مژگاں کے پاس ہیں

انگشت خار دشت جنوں سے بھی ہے سوا
دامن کے چاک میرے گریباں کے پاس ہیں

(۶۹)

کچھ کہیں گے تو کہے گا تو سخن ساز نہیں
بے وفا ہیں ترے معلوم سب انداز نہیں

اٹھ گیا رشک سے دشمن، نہ اٹھا دی وہ کہیں
اپنی محفل کا سمجھ کر خلل انداز نہیں

آشیاں شاخ پہ سدرہ کی بناتے اپنا
بے دماغی سے نہیں ہم سر پرواز نہیں

بسکہ لگتے ہیں ترے بے اثری کے طعنے
کیجیے سوئے فلک نالۂ دمساز نہیں

ہے یقیں یہ کہ گرا کوئی نظر سے ان کی
آج کچھ اپنی نگاہوں میں ہے اعزاز نہیں

اس جفا جو کو چلا آئے مرا خط دے کر
نامہ بر ہی تو نہیں ملتا کوئی جانباز نہیں

اپنی جانب سے نہ بن دیکھے ہیں اس پر عاشق
جانتی خلق ہے تسکین نظر باز نہیں

(۷۰)

کیا کہوں میں تجھ سے ہمدم نامہ بر کیا بنی
جو خبر لائے ہیں وہ ان سے بیخبر سے آئے ہیں

وصل کی شب آج بھر ہو لو لپٹ کر ذرا — کہنے ہم گلشن میں یہ مرغِ سحر سے آئے ہیں
میری خاطر سے ہوئی ہے اسکی حالت بھی تباہ — لوگ اس کوچے میں دل کرنا یہ برباد آئے ہیں
اتنی جلدی ہی آئی کیونکر یہ شبِ ہجراں خدا — ہم ابھی تو دل کے اس تنگ قمر سے آئے ہیں
وائے قسمت لا کے دی خط کا یہی قاصد جواب — وہ مرے جانے سے پہلے اپنے گھر سے آئے ہیں
اپنی محفل میں بلاتے ہو تو دو سب کو جواب — تا نہ پوچھے کوئی یہ صاحب کدھر سے آئے ہیں

مل گیا شاید کوئی غارت گرِ دل راہ میں
آپ کچھ بیتاب تسکیںؔ اپنے گھر سے آئے ہیں

(۷۱)

زلفِ پُر پیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب — کہ مرے پاؤں کی زنجیر کسے دیتے ہیں
ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سن — دل میں روتے ہیں یہ ظاہر میں ہنسے دیتے ہیں

(۷۲)

کیوں جھجکتا تھا گلے ملنے میں وہ — نشے میں شب میں نے پوچھا کچھ نہیں
میری حالت دیکھ کر شرمائے کیا — اس سے ظاہر ہے کہ دیکھا کچھ نہیں

تم نے تسکیںؔ دل دیا تو کیا ہوا
جان کی بھی واں تو پروا کچھ نہیں

(۷۳)

میرے اشکِ گرم سے روشن ہے گلخن آب میں — جل رہے ہیں مردمِ آبی کے مسکن آب میں

اس صنم سے کیا الٹ پلٹا ہوا اپنا ملاپ
جل مرا اس رشک سے ہر اک برہمن آب میں

باد میں اس گل کی دریا باغ میں طوفاں ہوا
پھرتے ہیں جوں مرغ آبی مرغِ گلشن آب میں

عکسِ ثریا دی مسی مالیدہ لب کا نہر میں
مچھلیاں بھی دیکھیں گلبرگِ سوسن آب میں

اشکِ سرخ آنکھوں میں آئے روتے روتے دیکھنا
لعل کے اشک سنے بجھتے کس نے معدن آب میں

(۷۴)

باتوں ہی کے مشفق ہیں مری حضرتِ ناصح
دو دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں

قاصد تو خبرداری سے لیجائیو اگر واں
رکھ دوں میں دلِ زار کو نامے کی شکن میں

(۷۵)

سو غنچہ تنگ ہو یہ کہاں وہ دہن کہاں
گو برگِ گل سے لب ہوں مسی کی پھبن کہاں

اس رشکِ گل کی بو کو نہ لے آئی ہو کہیں
جاتی ہے بہکی بہکی نسیمِ چمن کہاں

اب چپکے بیٹھے سنتے ہیں ناصح کی گفتگو
وہ ولولہ کہاں ہے وہ دیوانہ پن کہاں

برہم یہ آج ہونے لگا دل کا حال کیوں
آئی نظر وہ زلفِ شکن در شکن کہاں

یاں سادگی سے ہے مجھے دشنام کی ہوس
تنگی سی اس دہن میں ہے جائے سخن کہاں

سر پر جنوں نے لاش اٹھائی ہے بعد مرگ
ملتا ہے مجھ کو دیکھیے گور و کفن کہاں

روتا ہوں، تم پہ جب نہیں چلتا ہے بس مرا
آتے ہیں مجھ کو آپ کے سے مکر و فن کہاں

(۷۶)

یاں انتظار رہی میں کٹی ہمکو ساری رات   واں وعدہ کیا کیا ہوا انھیں یاد ہی نہیں

(۷۷)

ایک سے گزرے نہ دو دن کبھی تیری ہاتھوں   چین تجھ کو بھی ذرا گردشِ ایام نہیں
بولے آئینہ کا دینے لگو گے آپ ہی   ابھی صاحب یہ کھلی لذتِ دشنام نہیں

(۷۸)

روئیں گے یاد کرکے بتوں کو بہشت میں   زاہد وہاں کی حوروں میں جور و ستم نہیں

(۷۹)

کھلے اس بدزباں پہ گر محبت   تو حرفِ ناسزا اور میں ہوں
نہ چھوٹی ہاتھا پائی غیر سے گر   تو پھر دستِ دعا ہے اور میں ہوں
گزرتی ہے مزے سے اب تو تسکیں
کہ وہ شیریں ادا ہے اور میں ہوں

(۸۰)

روتی ہے مجھ کو ڈبو کر چشمِ تر کو کیا کہوں   وہ ہی آنا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کروں
خط مرا اس کو دیا ہے جا کے گھر میں غیر کے
عقل یاں حیراں ہے تسکیں نامہ بر کو کیا کہوں

(۸۱)

بے دورِ بادہ گردشِ دوراں کو کیا کروں — مخمور ہوں میں ساغرِ واژوں کو کیا کروں

لیتے ہی نام یار کا مرے جی پر آ بنی — ہمدم تسلیِ دلِ محزوں کو کیا کروں

ملنے کو تجھ سے کہہ کے عدو سے وہ مل گیا — کہیے تو اپنے طالعِ واژوں کو کیا کروں

آنکھوں سے میری گر گئی میزانِ روزِ حشر — واعظ خیالِ قامتِ موزوں کو کیا کروں

مٹتا نشاں نہ گور کا گردوں سے بھی ٹلے — ہاں تیری ترکتازیِ گلگوں کو کیا کروں

اُٹھتا نہیں ہے کوچۂ دلدار سے قدم
تسکیںؔ میں رہنمائیِ مجنوں کو کیا کروں

(۸۲)

کہتا ہوں لاکھ طرح اُسے مبتلا کروں — شاعر ہوں جو کہ چاہوں وہی ادعا کروں

چھیڑوں ہزار طرح سے تم کو خفا کروں — قابو میں میرے دل ہو تو کیا جانے کیا کروں

ہونٹوں پہ جان آئے ہے افراطِ شوق سے — کیا شرحِ لذتِ لبِ معجز نما کروں

(۸۳)

ابھی چھوڑ دوں گا اسی طرح سے تم — یہ کہہ لو کہ ہے ہے خدا کیا کروں

(۸۴)

بے مہر کہتے ہو اُسے جو بے وفا نہیں — سچ ہے کہ بیوفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

عقدہ جو دل میں ہو گئے ہونے کا وا نہیں — جبتک کہ آپ کھولتے زلفِ دوتا نہیں

عیاری دیکھنا، جو کہے ملنے کو کہو — کہتا ہے، میں تو تم سے ہوا کچھ خفا نہیں

اشکوں کے ساتھ قطرۂ خوں تھا نکل گیا | سینے میں سے تو دل کو کوئی لے گیا نہیں
جلنا ہے سادہ لوحی یہ کیا اپنی جی مرا | دل لیکے اب جو بات وہ کرتا ذرا نہیں
وہ پُر خطر ہے وادیٔ اُلفت کہ راہ میں | کہتے ہیں خضر ہائے کوئی رہنما نہیں
کرتا ہوں تیری زلف سے دل کا مبادلہ | ہر چند جانتا ہوں یہ سودا بُرا نہیں
کیسے وہ تلخ تر ہیں مرے شورِ عشق سے | قسمت سے اپنا چاہنے میں بھی مزا نہیں
جوشِ جنوں میں سر پہ اُٹھائیں کہاں سے خاک | دل کیا گیا غبار ہی جی میں رہا نہیں
دیکھوں تو لے جو جان ملک الموت کس طرح | تم وقتِ مرگ پاس سے اُٹھنا ذرا نہیں

تسکیں نے نام لے کے نزا وقتِ مرگ آہ!
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہیں

۸۵

میں نے رکھا جو پاؤں پر سر کو | بولے وہ ناز سے کہ لیں سر کو
دھوم ہے میری سخت جانی کی | تیز کر لو تم اپنے خنجر کو
جان کرتا ہے اک غلام نثار | کچھ خبر بھی ہے بندہ پرور کو
کام بلبل کا خاک نکلے گا | دل میں گُل کے جگہ ہوئی زر کو
میں وہی ہوں دیا تھا جس نے دل | تم وہی ہو اُٹھاؤ تو سر کو

جیسے ہم بیٹھکر اُٹھے تسکیں
سب یونہی واں سے آئیں گے گھر کو

(۸۶)

ممکن نہیں جو ضبط قلق کا اثر نہ ہو
گذری جو ہم پہ شب تمھیں اسکی خبر نہ ہو

کس نے کہا کہ ہو اُسے دشمن سے دوستی
میری ہی وہم سے مرے جی کا ضرر نہ ہو

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

کچھ اس سے دشمنی تو نہیں اے دل حزیں
بے صرفہ نالہ کرنے سے ٹکڑے جگر نہ ہو

آتی ہے اپنے خط سے مجھے صاف بوئے خوں
جاتے ہی واں شہید مرا نامہ بر نہ ہو

یہ آرزو ہے جائے ذرا تجھ سے پہلے جاں
کہتا ہے کون وصل کی شب میں سحر نہ ہو

کیا کام مجھ کو غیر سے ناصح سے کیا غرض
جھگڑا ہی کچھ نہ ہو تری اُلفت اگر نہ ہو

آرام سے بغل میں وہ بیٹھیں کوئی گھڑی
تسکیں جو اضطراب تجھے اس قدر نہ ہو

(۸۷)

خجل ہے زُلف معنبر سے مشکناب کی بُو
ترے بدن پہ تصدق ہوئی گلاب کی بُو

خدا کرے کہ غلط ہو جو وہم ہے جی کو
بُری لگی ہے تمھیں پینے میں کباب کی بُو

طرح طرح سے برا اُس کو کہتے ہیں واعظ
سنگھاؤنگا کبھی حضرت کو میں شراب کی بُو

گیا ہے جب سے ترے در کو چھوڑ کر تسکیں
نہ آئی پھر ہمیں اس خانماں خراب کی بُو

(۸۸)

کیسی سج دھج بنائے جاتے ہو
کیا کسی کے بلائے جاتے ہو

آنکھ پڑتی ہے بزم میں سب کی
تم نظر میں سمائے جاتے ہو

پھر مزے یاد کر کے روؤں گا
کیوں مجھے تم ہنسائے جاتے ہو

کیوں نہ ہوں بدگمانیاں مجھ کو
تم بھی تو آزمائے جاتے ہو

اس کی محفل سے سچ کہو تسکیںؔ
کس لیے تم اٹھائے جاتے ہو

(۸۹)

دل یہ کہتا ہے قفس میں کبھی فریاد نہ ہو
تا اسیروں سے گراں خاطرِ صیاد نہ ہو

ناتواں وہ ہوں بصد زور اگر سینے سے
لب تلک نالہ کبھی آئے تو فریاد نہ ہو

کر دیا وعدۂ الم ہجر نے مایوس نوید
گر سنوں بھی کہ وہ آتا ہے تو جی شاد نہ ہو

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہ ہو

(۹۰)

اک اک سے کہہ چکا ہوں ستم اسکے قہر ہیں
اس پر بھی اسکی غیر کو الفت ہوئی تو ہو

اُس بُت کو واسطے ہی خدا سے بگاڑ دی
ناصح اگر عدو سے عداوت ہوئی تو ہو

بن آئے یار کے نہیں اُٹھنے کا گور سے
کہہ دو کوئی خدا سے قیامت ہوئی تو ہو

جاتی ہے جان یار سے ملنا ضرور ہے
تسکیںؔ اگر قسم کی ندامت ہوئی تو ہو

(۹۲)

ہمارے زخم دل میں چاہیے الماس بھر دینا ۔ نمک پاشی کی عادت ہو گئی اسکے نمکداں کو
بہت ہے اپنی تابش پر اسے او مہر وش دعوے ۔ ذرا منہ کھول کر اپنا دکھا دے مہر تاباں کو
ترے کوچے کی آرائش اگر ایسی کوئی کہہ دے ۔ جہنم کی طرح جنت جلا دے پھر تو رضواں کو
نہیں دیتا ہے آنے کوچہ سفاک میں تسکیں ۔ کہوں کیونکر نہیں مجھ سے محبت اسکے درباں کو

(۹۲)

وہم آتا ہے مٹا کر خط پیشانی ہائے ۔ اس میں لکھا نہ ہو اس دل کی جبیں سائی کو
لاکھ محشر کے سے ہنگامے کیے ہم نے بپا ۔ موت اس پر بھی نہ آئی شب تنہائی کو
امتحاں غیر کی الفت کا ہوا ہے شاید ۔ چھوڑ بیٹھے ہیں وہ تزئین خود آرائی کو
میری آزار کی لے نہ اجازت دشمن ۔ اس پری وش کو دکھا کر کسی سودائی کو

(۹۳)

مجھ بے گنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر ۔ ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہ ہو

(۹۴)

آتے ہی ان کے جان گئی واہ رے نصیب ۔ نکلی جو آرزو تو دم واپسیں کے ساتھ

(۹۵)

تھے جن سے گمان دوستی کے ۔ دشمن وہ ہوئے ہمارے جی کے
ارماں بھی نہ نکلے آہ جی کے ۔ کیا لطف اٹھائے عاشقی کے
اک خلق ہے تلخ کام سن کر ۔ کیا شور ہیں اپنی بے کسی کے

سچ ہے تمھیں کیا وفا سے مطلب — معشوق نہیں ہوئے کسی کے
کیا تجھ سا دکھا دیا ہے بدخو — کیوں ٹکڑے کیے ہیں آرسی کے
کیا عشق عدو ہوس ہے، سچ ہے — سب قول غلط ہیں مدعی کے
دل دینے کی قتل ہی سزا ہے — قائل ہیں تمھاری منصفی کے
کیا رفع یدین عشق تجھ سے — ہیں کانوں پہ ہاتھ شافعی کے
دی عقل خدا نے جن کو ناصح — دلوانے ہوئے وہ اس پری کے
ہے جن و پری ملک سے بہتر — گو ڈھنگ برے ہیں آدمی کے
تسکین نے چوسے ہیں شکر لب — بوسے ترے آج سب ہیں پھیکے

(۹۶)

فرق کچھ تو چاہیے اغیار سے — سرِ الفت ہم چھپائیں یار سے
اپنی آنکھوں سے اگر تشبیہ دوں — اشک ٹپکے روزنِ دیوار سے
بات ان کی معتبر ہے سچ کہا — حال میرا پوچھیے اغیار سے
اس کی چوٹی میں نہیں موباف سرخ — اٹھتے ہیں شعلے دہانِ مار سے
دھوپ میں بیٹھوں کہ خجلت سے عدو — بھاگ جائیں سایۂ دیوار سے
پاس سے تیرے اٹھاتی غیر کو — زور ہو سکتا جو چشم زار سے
چھوٹتی ہیں منھ پہ کیا مہتابیاں — وصل کے دن سایۂ دیوار سے
سو طرح کی فکر میں تسکیں پڑے — دل لگا کر اس بتِ عیار سے

(۹۷)

یوں چاہے کوئی سدِ سکندر میں گھر کرے
مشکل یہ ہے جو کوچۂ دلبر میں گھر کرے

اے دل یہ خاک میں ترا ملنا ہے بے اثر
وہ گر جو اس کی طبع مکدر میں گھر کرے

وہ میکدہ نشیں ہوں کہ ہو جاؤں خاک گر
میرا غبار بھی خطِ ساغر میں گھر کرے

دل چاک چاک ہے مرا اس واسطے کہ یہ
شانے کی طرح زلفِ معنبر میں گھر کرے

سودے کو دو جہان کے کرتا ہوں سر سے دور
تیرا خیال تا کہ مرے سر میں گھر کرے

بیتابیوں کی اور ہوس ہے تو آن کر
سیماب سے کہو دلِ مضطر میں گھر کرے

اس بت کو کچھ اثر ہی نہ ہووے تو کیا کروں
تسکیں یہ آہ وہ ہے کہ پتھر میں گھر کرے

(۹۸)

تجھ سے انداز میں ہونے جو مقابل آئے
اس سے کہہ پہلے وہ تسکین سے بھی مل آئے

جی میں آتا ہے کہ ضد سے تری دیدئی ناصح
دل تو دل جان بھی لینے جو وہ قاتل آئے

کٹ گئی ہجر کی شب آہ و فغاں سے ہیچ ہے
یار کام آتے ہیں جب سدم کوئی مشکل آئے

زلف گیس شوق سے اس بت کی بکھیری تسکیں
آپ جنت میں جو پابندِ سلاسل آئے

(۹۹)

خط بھیجنے کا قصد کوئی واں اگر کرے
تو پہلے چارہ نظرِ نامہ بر کرے

صبحِ شبِ فراق سے جاتی ہے پہلے جاں
کیا نالہ میرے حال پہ مرغِ سحر کرے

آتی ہیں یاد گردشیں اس چشمِ مست کی
ساغر کا دور مجھ کو نہ دوران بسر کرے

تسکیںؔ کسی کے واسطے مرتا ہے ہمنشیں — کوئی کسی کو جا کے بس اتنی خبر کرے

(۱۰۰)

دل کس کی تیغِ ناز سے لذّت چشیدہ ہے — ہر زخم شوق سے لب حسرت گزیدہ ہے
اس گرم اضطراب سے دل جل گیا خدا — پہلو میں میرے دل ہے کہ برقِ طپیدہ ہے
چوسا دہانِ زخم نے اس کو ہے اس طرح — پیکانِ تیرِ یار زباں مکیدہ ہے
ناصح جنوں کی بخیہ گری کی ہوس نہیں — ہر تارِ جیب اب تو گریباں دریدہ ہے
غنچہ کی طرح خاک رکھیں زر کو باندھ کر — جوں لٹے گل یہاں سے تو جانا جریدہ ہے
کچھ آج زلزلہ سا زمیں کو ہے گور میں — تسکیںؔ بے قرار مگر آرمیدہ ہے

(۱۰۱)

مرتا ہوں میں جتنا وہ سمجھتا ہے ہنسی ہے — یہ کیسی خرابی ہے مری جان پھنسی ہے

(۱۰۲)

طبیعت بس گئی جس پر حنا کی — وہ رنگت ہے تمہارے دست و پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے — کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

(۱۰۳)

اللہ رے آرزو ترے ملنے کی بعدِ مرگ — حسرت ٹپکتی ہے مری شمعِ مزار سے

(۱۰۴)

تو کیوں پاس سے اٹھ چلا بیٹھے بیٹھے — ہوا تجھ کو کیا بے وفا بیٹھے بیٹھے

گنہ گار میں ہو گیا بیٹھے بیٹھے ۔ کیا تو نے یہ ہائے کیا بیٹھے بیٹھے
کہاں تک کروں ضبط نالہ نہ پوچھو ۔ مرے جی میں آتا ہے کیا بیٹھے بیٹھے
نہ پہنچے بسِ مرگ بھی گور تک ہم ۔ رہے پاؤں چلنے سے کیا بیٹھے بیٹھے
وہ آتے ہی آتے رہے پر تپاک سے ۔ مرا کام ہی ہو گیا بیٹھے بیٹھے
اٹھاتے ہو کیوں اپنی محفل سے مجھ کو ۔ لیا میں نے کیا آپ کا بیٹھے بیٹھے
کریں سعی کچھ اُٹھ کے اس کو سے اے دل ۔ یہ حاصل ہوا مدعا بیٹھے بیٹھے
وہ اس لطف سے گالیاں دے گئے ہیں ۔ کیا کرتے ہیں ہم دعا بیٹھے بیٹھے
ذرا گھر سے باہر نکل، مان کہنا ۔ نہ ہو گا کوئی مبتلا بیٹھے بیٹھے

نہ اُٹھا گیا دل کے ہاتھوں سے تسکیں
کہا اس نے جو سب سنا بیٹھے بیٹھے

(۱۰۵)

دل تو وہ زلفِ دوتا مانگے ہے ۔ مانگ آپ دیکھئے کیا مانگے ہے
اب یہ حالت ہے کہ ان سا بے درد ۔ میرے جینے کی دعا مانگے ہے
دل نہ دوں تو میں کیا کروں تسکیں ۔ دل پری ہوش ربا مانگے ہے

(۱۰۶)

کس کی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے ۔ یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے
دل کے جاتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ ۔ صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

(۱۰۷)

بدنام ہو کے عشق میں ہم نام سے گئے ‏— کس کام کے ہوئے کہ سبھی کام سے گئے
میرا ہی انتظار نہ ہووے کہ کہتے ہیں — وہ آکے جھانک جھانک لب بام سے گئے

(۱۰۸)

میں نے وہم عشق سے واعظ کی آنکھیں لیں نکال — دیکھ کر اس بت کو رونا تھا وہ ایماں کیلئے
میں نے ٹکڑے کئے وحشت میں کئی ہیں تہ خاک — تا بہم پھر نہ ہوں بنیاد زنداں کیلئے

(۱۰۹)

جھڑکیاں کھا کے آئیں گے واں سے — ہمنشیں کیا کہیں گے درباں سے
نہیں کھلتا کہ لائے گا قاصد — کیا خبر اب کی کوئے جاناں سے
حال اس بے وفا سے کہتے ہم — ہوتی فرصت جو عہد و پیماں سے
اپنے مجنوں کی شورشیں دیکھو — کھول کر عقدہ زلف پیچاں سے
گل سے آئی تھی کہنے کس کا حال — کیوں صبا پھر چلی گلستاں سے

(۱۱۰)

تسکیں مجھے اس سر کی قسم کچھ نہیں معلوم — کیا کرتے ہیں الفت کے لیے کیا نہیں کرتے

(۱۱۱)

کر سکے دفن نہ اس کو میں جو احباب مجھے — خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے
قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی — بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے

ہجر میں پاس ہے زہر نہ خنجر افسوس — نہ دیے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے
چاند کے خواب میں آنے سے بھی ڈر جاتا ہوں — ہجر میں گذری ہے گویا شبِ مہتاب مجھے

نام تسکین و یہ مضمونِ طپش نازیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بے تاب مجھے

(۱۱۲)

ہجر بھی ہو تو مزہ وصل کا حاصل ہووے — آنکھ کے آگے وہی شکل و شمائل ہووے
آتشِ عشق جلا دے تری اُلفت کے سوا — اور کچھ دل میں جو اندیشۂ باطل ہووے
حلقے اس زُلف کے سے لا تو بنا کر ناصح — مجھ سا دیوانہ جو پابندِ سلاسل ہووے
مجھ پہ موقوف نہیں دیجیو دشنام اس کو — اب کے جو بوسۂ لب کا ترے سائل ہووے

وہم تسکیں کو شبِ تار میں یہ ہے کہ کہیں
سوئے دشمن نہ گیا وہ مہ کامل ہووے

(۱۱۳)

نہ ہاتھ آئے یہ گوہر پئے نثار مجھے — بھلا ہوا کہ ملی چشمِ اشکبار مجھے
ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلّیِ دل — کسی کے جلنے سے گو خود نہیں قرار مجھے
نکالی حسرتِ دل کیا کہ ایک شب تم نے — دیا نہ اپنے سراپا کا اختیار مجھے
شبِ وصال میں سُننا پڑا فسانۂ غیر — سمجھتے کاش وہ اپنا نہ راز دار مجھے
وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں — نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گزار مجھے

گلے لگاؤں گا کس لطف سے وصال تو ہو — بنا رکھیں گے وہ اپنا گلے کا ہار مجھے
کروں گا داورِ محشر ستم کی پھر فریاد — اب آ گیا ہے اسے دیکھ کر پیار مجھے
مرے قفس میں عجب ہے نہ گل کھلا کوئی — سنا گئی تھی صبا مژدۂ بہار مجھے
مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر — نہ دیکھنا تھا تماشائے روزگار مجھے
ترے ستم کے بیاں میں اگر یہی ہے مزہ — پڑے گا حشر میں کہنا ہزار بار مجھے
عذابِ گور ہوئیں بدگمانیاں پسِ مرگ — بنانا تھا اسی دروازے پہ مزار مجھے
بھرا ہوا ہے جو دل میں بیاں کروں کیونکر — نہیں تمہاری محبت پہ اعتبار مجھے
سیا تھا میری گریباں کو کس لیے ناصح — تمہاری جیب کو کرنا تھا تار تار مجھے
نہ میری گریہ کا ہنس ہنس کے پوچھتے ہیں سبب — دکھا کے دیکھیے کیا چشمِ اشکبار مجھے

مزے یہ دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے

(۱۴۱)

تمہیں اغیار میں دیکھو تو کیسا بے وفا سمجھے — مجھے کہتے ہیں کیا دیکھا جو اس کو آشنا سمجھے
کہا جو تم پہ مرتا ہوں تو بولے یہ کہ مر جاؤ — کہا کیا ان سے میں نے اور وہ کیا میرا کہا سمجھے
نہیں اس کا بھروسہ یہ ہی ہو گا غیر کے حق میں — ستم میں اپنی جس دن ہائے وہ کچھ بھی مزا سمجھے

علاج اس سادگی کا پہلے کرنا چاہیے تسکیں
کہ ہم ان سے وفا دشمن کو اپنا آشنا سمجھے

(۱۱۵)

ہوش اتنا مجھے وحشت میں کہاں رہتا ہے
کس کا یہ نام ہے جو وردِ زباں رہتا ہے

کب مزہ خنجرِ قاتل میں نہاں رہتا ہے
ہر لبِ زخم سے حسرت کا بیاں رہتا ہے

غش سے اک آن افاقہ نہیں ہوتا مجھ کو
اس کے آنے کا جو بالیں پہ گماں رہتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم مجھ پہ ہے
جوں جوں میں اسکو چھپاؤں وہ عیاں رہتا ہے

ہے یہ ممکن کہ یقیں آئے اُسے الفتِ غیر
بدگمانی سے مگر مجھ کو گماں رہتا ہے

دھیان بھی زلف کے پیچوں کا برا ہوتا ہے
دل جو گھٹتا ہے تو پھر دل خفقاں رہتا ہے

جس پہ مرتا ہوں خبر اس کو نہیں ہے افسوس
عشق معشوق کا پردہ میں نہاں رہتا ہے

ناز سے کہتے ہیں مجھ سے یہ تسکیںؔ مبتلا
آئینہ کیوں مری جانب نگراں رہتا ہے

(۱۱۶)

مرے دل پر بنی سوزِ نہاں سے
کہاں ہے موت ہم مرتے ہیں جاں سے

خدا جانے عدو پر کیا بنے گی
پڑا ہے کام اُن سے بدگماں سے

گماں ہے دل کو سب پر نامہ بر کا
کہوں کس کس سے آتے ہو کہاں سے

کہیں ایسا نہ ہو کہہ دے مفصل
گیا ہے شکوہ ان کے رازداں سے

میں وہ ہوں ناتواں طالع کو اپنے
جگا سکتا نہیں خوابِ گراں سے

دکھا دو رنگ اپنے دل کا تسکیںؔ
اُٹھا دو ہاتھ چشمِ خوں فشاں سے

بنا سکیں نہ وہ بُت دوست اپنا
بگاڑی کس لیے سارے جہاں سے

(۱۱۷)

دستِ پا اپنی جنوں میں نہیں کہنا کرتے
ورنہ ہم خانۂ زنجیر کو صحرا کرتے

آرزو بھی ہمیں اُس بُت کی خدا، سو نہ ملا
اور کس چیز کی ہم تجھ سے تمنا کرتے

یہ نہ کہنا کہ شبِ وصل میں کیا ہوتا ہے
ہائے گر ایک بھی وعدے کو وفا کرتے

بادہ خواری نے کیا ہر مرا وہ حال خراب
کہ مُغاں بھی ہیں مجھے دیکھ کے توبہ کرتے

کیا یہ کہتے ہو لگی دل کی بُری ہوتی ہے
تم سمجھتے تو مجھے یوں نہ ستایا کرتے

(۱۱۸)

گر مرے بیٹھنے سے وہ آزار کھینچے
تو اپنے در کی آ کے وہ دیوار کھینچے

ناز و ادا و غمزہ سے یوں دل لیا مرا
لیجا ہیں جیسے مست کو ہشیار کھینچے

وا حسرتا ہوئی انھیں آنے کی تب خبر
لائے جب اس گلی میں مجھے یار کھینچے

آ جائے گا اُن کے کہنے سے وہ گل یہاں تلک
کانٹوں پہ کیوں ہیں اب مجھے اغیار کھینچے

وہاں شوق جالیوں کا ہوا اس جامہ زیب کو
یہاں اپنے پیرہن سے ہیں ہم تار کھینچے

تیغِ نگاہِ یار اُچٹنے لگی ہے پھیر
برسوں گزر گئے مجھے آزار کھینچے

کہتے ہیں شب وہ کہتے تھے آنا ہی جی گھٹا
نالے جو ہم نے پسِ دیوار کھینچے

آزردہ ان کو دیکھتے ہی جان نکل گئی
وہ دیکھ مجھ کو رہ گئے تلوار کھینچے

تسکیں کا چاک چاک ہوا دل، جو شانے کو
دیکھا کسی کا طرۂ طرار کھینچتے!

(۱۱۹)

تم غیر سے ملو نہ ملو، میں تو چھوڑ دوں — گر اس وفا پہ کوئی کہے بے وفا مجھے
سچ ہے تو بد گماں ہے، سمجھتا ہے کچھ کا کچھ — بوسہ نہ لینا تمھارے آئینے کا مجھے
انصاف کر، خراب نہ پھرتا میں در بدر — ملتی جو تیرے گوشۂ خاطر میں جا مجھے
اس بت کی میں دکھاؤں گا تصویر واعظو — پھر کیا کہے گا داورِ روزِ جزا مجھے
کیوں اُن سے وقتِ قتل کیا شکوۂ غیر کا — کرنی تھی مغفرت ہی کی اپنی دعا مجھے

پوچھے جو تجھ سے کوئی کہ تسکیں سے کیوں ملا
کہہ دیجو حال دیکھ کے رحم آگیا مجھے

(۱۲۰)

رات اس بزم میں غیروں کی بن آئی ہوتی — میں نے گر مرنے کی صورت نہ بنائی ہوتی
دل میں دشمن کے کھٹکا نہ کرے، ڈرتا ہوں — اب نہیں جی میں مری غم کی سمائی ہوتی
دل جو لینا ہے تو لو سوچتے کیا ہو پیارے — دوستوں میں نہیں بجز اپنی پرائی ہوتی

(۱۲۱)

گھبرا کے نہ سم کھاؤں، جلدی ہے نہ مر جاؤں — سب کہتے ہیں کام اچھا تاخیر میں ہوتا ہے

(١٢٢)

نہ دیکھا ہم نے یوں پھرتے کسی کو کوئے دلبر سے
بنی کیا جی پہ تسکیں کیوں چلی آتے ہو مضطر سے

یہ اکثر وہم آتا ہے گرا نامہ کبوتر سے
کبوتر پر بندھا رہتا نہیں قصہ سنتا ہوں اکثر سے

کیا بدنام اس کو عشق میں مجھ سے نہ یہ پوچھا
کہ ہم واقف تھے کچھ بھی ساکنانِ کوئے دلبر سے

ہنسی میں اس کے دانتوں کی چمک نے یہ کیا بےخود
ملائے خاک میں آنکھوں نے آنسو تھے جو گوہر سے

دعائے دشت کی ہر کیتے تھے مجنوں نے زنداں میں
صدائے الاماں کانوں میں آتی ہے جو گھر سے

نہ پوچھ اس پری وش کے وصل کی شب کا سماں مطرب
صدائے نغمہ آتی ہے مجھے ہر تارِ بستر سے

تمہارے تیرِ مژگاں نے کیے ہیں دل کے سو ٹکڑے
نہ مانو گر دکھاؤں چیر پہلو نوکِ خنجر سے

جوابِ نامہ تو اس کا پھرے گا لیکے جب قاصد
خبر کچھ بدبختوں کی لائیو دشمن کے بھی گھر سے

جوابِ تلخ نے اس بت کے کھوئے ہوش کیا تسکیں
کہو کچھ تم بھی ہو شیریں زباں بیٹھے ہو پتھر سے

(١٢٣)

کہہ دو صیاد سے رہے گا کون
گر نظر بھی سوئے قفس نہ رہی

(١٢٤)

چاہوں خدا سے داد کہ کیونکر کیا تمام
روزِ حساب میرے غمِ بے حساب نے

ایسا کہا کچھ اس نے کہ دیوانہ بن گیا
قاصد کی جان ہی مرے خط کے جواب نے

یاد آ گیا وہ عارضِ گلرنگ چارہ جو
لے اور غش کیا مجھے بوئے گلاب نے

(۱۲۵)

تازیانہ شبِ غم تھا تری شوخی کا خیال
جانِ بیتاب کی خاطر دلِ مضطر کے لیے

یادِ دنداں میں ترے رونے کا کیا تار بندھا
غوطے دریا میں لگانے لگے گوہر کے لیے

ہاتھ تھک جانے کا ڈر تھا ترے ہم کو ظالم
اس لیے ہم نے نہ بوسے ترے خنجر کے لیے

فکرِ تنہائی نے مارا کہ مرے پاس یہی
شورِ اُلفت ہو سو لیجائیں گے محشر کے لیے

گھل گئے ہائے غمِ تنگیِ دہن میں ایسے
روزنِ مو ہے مدفن تنِ لاغر کے لیے

خونچکاں ہیں ترے دیواں کے مضامیں تسکیں
رشتۂ جانِ عدو چاہیے مسطر کے لیے

(۱۲۶)

دیکھ کر رُخ کی چمک پڑتے ہی غش آیا نہیں
مر گیا ہوں شوق سے چلمن اُٹھا کر دیکھیے

پوچھیے کیا ہو سدا ہو گی قیامت کس طرح
خواب میں آجائیے مجھ کو جگا کر دیکھیے

آج اس کوچے میں تسکیں بکتا پھرتا ہے دل
چیز اچھی ہے، ذرا اس کو منگا کر دیکھیے

(۱۲۸)

دو بھی عالم میں کبھی ایک سے دیکھے نہ سُنے
ایک کو ایک سے، اک بات سوا آتی ہے

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

(۱۲۹)

کیوں ہڈیوں پہ جنگِ سگانِ سرِ کُو ہے
وارث ہیں یہ کیا عاشقِ مسکیں کے تمہارے

(١٣٠)

مرگ تو اک خوابِ راحت ہو وے حسرت یہ ہے — کیسے کیسے آشنا ہم سے جدا ہو جائیں گے
وصلِ دائم کی ہوس میں اتنی کرتے سعی کیوں — گر خبر ہوتی کہ یوں مل کر جدا ہو جائیں گے

(١٣١)

مرتا ہوں میں تو اور یہ اب پوچھتے ہو کیوں — یہ تو نے کس کے واسطے حالت تباہ کی
ہر ایک اپنا حال دکھانے میں محو تھا — کیا جانے اُس نے بزم میں کس پر نگاہ کی
جانا ہم اس گلی میں ابھی آپ چھوڑ دیں — ناصح جو کوئی بات کہیں آپ راہ کی
قاصد میں آپ ہے تجھے واں بھیجتا نہیں — دی تھی قسم کسی نے رسالت پناہ کی

دوچار کیوں یہ بیٹھے ہو تسکیں منہ بنائے
اس حوصلے پہ آپ نے کاہے کو چاہ کی

(١٣٢)

وہاں یہ ٹھہری ہو کہ ملیے عاشقِ دلگیر سے — بوالہوس یونہی خوشی ہو آہ بے تاثیر سے
دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار — حالِ دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے
ہجر کی شب کو ہے طولانی یہ اتنا ناز کیوں — چھپ رہا ہے مہر دردِ نالۂ شبگیر سے
ہے ہوا کے دوش پر اتنا غبار مضطرب — اب بھی پھرتے ہیں ترے کوچے میں کس توقیر سے
وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اُٹھوں ابھی — ہاتھ اُٹھایا چارہ سازوں نے عبث تدبیر سے
گر کوئی بھولے سے اسکی بزم میں دے مجھ کو جام — زہر ہو جائے نگاہِ قہر کی تاثیر سے

کوچۂ قاتل میں دشمن بھی بن آئے مر گیا
موت کیا ڈرتی ہے اس کی برشِ شمشیر سے

تم تصور سے مرے کس طرح جاؤ گے نکل
حلقۂ آنکھوں کے سوا ہیں حلقۂ زنجیر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکیںؔ رات بھر
اس نے پہچانا نہ ہم کو رنگ کے تغیّر سے

(۱۳۳)

جاں ٹھہری نہ اس ابروئے خم دار کے آگے
سچ ہے نہیں تھمتا کوئی تلوار کے آگے

میں تیرے لیے ناصح مشفق سے لڑوں اور
تو کہوے بُرا یوں مجھے اغیار کے آگے

اس چشم پہ مرتا ہوں یہ ہے سو اس ہی کیونکر
میں فخر کروں مرنے کا اغیار کے آگے[۱]

(۱۳۴)

قطعہ در ہجو غلام جیلانی آبدار

شمر ثانی غلام جیلانی
آبرو دے مگر نہ دے پانی

خونِ سادات کا یہ پیاسا ہے
ابن ملجم کا یہ نواسا ہے

○

ترقیمہ:۔ دیوان تسکیںؔ نوشتہ و مرتبہ نمودہ مہدی علی خاں حسب الحکم نواب محمد کلب علی خاں صاحب۔

۱؎ یہ تینوں شعر بھی کریم الدین سے لیے گئے ہیں۔

ALIB STUDIES

4

Abid Raza Bedar

Rampur Institute of Oriental Studies
1969